AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

جیلانی بانو کے ناولوں میں تانیثیت

FEMININE CONSCIOUSNESS IN JILANI BANO'S NOVELS

Dr. Uzma Noreen
Lecturer G.C Women University Sialkot
Dr. Saima Iqbal*
Assistant Professor Urdu Department Government College University Faisalabad drsaimaiqbal@gcuf.edu.pk
Dr. Syed Azwar Abbas
Lecturer Urdu Department, Hazara University Mansehra

Abstract
is an Urdu fiction writer who has made the domestic and social life of women and Jilani Bano their problems in all herliterary works. The time when she started her literary life was the last period of the rise of the Progressive movement. Hyderabad Deccan (India) was going through In a period of political chaos and emergency. The feudal environment and society were ending. her novels Aiwan-e-Ghazal (1976) and Barish-e-Sang(1985), she has made the subject of women's helplessness, psychological problems and exploitation in the decadent feudal society. Where women are considered speechless and second-class creatures. Her freedom is taken They are considered as a mere means of sexual away by imposing unnecessary restrictions. In the feudal system, such words are used for men and women which prove that indulgence. men are superior and women are inferior. In the light of the ideas expressed the novels Aiwan-e- Ghazal and Barish-e- Sang by Jilani Bano will be analyzed.

Keywords
Feminism, Exploitation, Aiwan-e-Ghazal (1976) and Barish-e-Sang(1985), Jilani Bano, Feudal system, Second Sex, Progressive movement,women's rights.

جیلانی بانو اردو کی معروف ترقی پسند فکشن نگار ہیں ان کے ناولوں اور افسانوں کے نام یہ ہیں:

ا۔ ایوانِ غزل (ناول)

۲۔ بارش سنگ (ناول)

۳۔ مروان (ناول)

۴۔ جگنو اور ستارے (ناول)

۵۔ نغمے اور ستارے (ناول)

۶۔ روشنی کے مینار (افسانے)

۷۔ پرایا گھر (افسانے)

۸۔ رات کے مسافر (افسانے)

ان کا تعلق حیدر آباد دکن سے تھا۔ اپنے والد حیرت بدایونی سے اُن کو یہ ادبی ورثہ ملا۔ ان کے والد اپنے دور کے معروف شاعر تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جیلانی بانو نے اپنے گھر میں مخدوم محی الدین، جگر مراد آبادی، کرشن چندر اور مجروح سلطان پوری کی آمد ورفت کی وجہ سے بہت کچھ سیکھا۔ یہ لوگ

ان کے والد صاحب کے یار غار تھے۔ اسی بات نے ان کی ادبی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ ایک اور وجہ بھی ہے کہ انھوں نے ابتدا ہی سے اردو کے کلاسیکی ادب کو پڑھنا شروع کیا تھا۔ اردو کے اہم شاعر اور نثر نگار انھیں زبانی یاد تھے۔ ان میں منٹو، اقبال، عصمت چغتائی، میر تقی میر، غالب، گورکی، چیخوف، بیدی، موپساں، مجاز، فیض، قرۃ العین حیدر اور احمد ندیم قاسمی شامل ہیں۔ ان ادیبوں سے جیلانی بانو نے اپنا چراغ روشن کیا۔ یہاں ان کے چند ناولوں کا تانیثی مطالعہ مقصود ہے۔

جیلانی بانو کا اولین ناول "ایوانِ غزل" ان کی شہرت کا باعث بنا۔ اس ناول میں غزل کا مرکزی کردار ہے۔ لیکن جیلانی بانو نے اس سمیت تمام نسائی کرداروں کو مکمل اور متحرک رکھ کر ان کے مردوں کے اس معاشرے میں ان کی بالا دستی کے مساوی دکھایا گیا ہے۔ اُن کی پیش کردہ عورت دیگر خواتین ناول نگاروں کی ہیروئنوں کی طرح کمزور اور لاچار نہیں ہے بلکہ اپنے حقوق کی جنگ جیتنے کی صلاحیت رکھنے والی باحوصلہ لڑکی ہے۔ ساتھ ساتھ وہ حساس اور بیدار و بے باک بھی ہے۔ وہ بغاوت کے اصولوں سے بھی پوری طرح واقف ہے اور اپنے اوپر رکھے جانے والے ظلم کا مقابلہ کرنا جانتی ہے۔ "ایوانِ غزل" کی عورت جاگیردارانہ نظام میں عورت کے مسائل سے مکمل واقفیت رکھتی ہے۔ مثلاً جب ہم جاگیردارانہ نظام کو دیکھتے ہیں تو اس میں عورت محکوم و مقہور ہے لیکن نئی تعلیم نے اس کے اندر ایسا شعور پیدا کر دیا ہے کہ اب وہ اس نظام کی خوبیوں اور خامیوں کا ادراک رکھنے والی ہے اور اس طرح اپنے حقوق کی جنگ لڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "اس وقت حیدرآباد کے اونچے طبقے میں دو طرح کی خواتین پائی جاتی ہیں۔ ایک واحد حسین کا گھرانہ جہاں ابھی تک عورتیں کار میں پردہ لگا کر بیٹھتی تھیں اور بی بی کی طرح انھیں اپنے شوہر کے عہدے کا انگریزی تلفظ صحیح طور پر یاد نہیں ہوتا تھا۔ یہ عورتیں شرافت اور پاکیزگی کے ہر شاستری اصولوں پر پوری اترتی تھیں۔ وہ ایشودھا کی طرح اپنے سدھارت کو نجات کے راستے پر گامزن کر سکتی تھیں۔ کسی نئی سوکن کے آنے پر اپنے گھر کا بن باس قبول کر لیتی تھیں اور سیتا کی طرح زمین انھیں چھپانے کے لیے ہمیشہ اپنے آغوش کھول دیتی تھی۔ دولت اور شان و شوکت کا مفہوم ان کے لیے یہ تھا کہ زیادہ نوکر، زیادہ چھوکریاں، شان و شوکت اور وقار قائم رکھنے کے لیے زیادہ قربانیاں، میاں کی ناز خرامیاں اور انھیں سبھالنے کی ذمہ داری۔۔۔۔ ان کے صلے میں وہ کالی پوت لچھا آتا جو سہاگ کی نشانی سمجھا جاتا اور کنجیوں کا وہ گچھا جس میں اس کے سکھ کی چابی کوئی نہیں ہوتی تھی لیکن ان چابیوں سے وہ خاندان، دولت، نسل اور وقار کے تمام بند دروازوں کو کھول دیتی تھیں۔۔۔۔
>
> دوسری عورت وہ تھی جو حیدر علی خان کے یہاں پیدا ہو رہی تھی۔ وہ پہنچ گئی، دہلی اور دہرادون جا کر پڑھی تھی۔ انگریز افسروں کے کلب میں ناچتی تھی، بغیر آستینوں کے بلاوز اور کٹے ہوئے بالوں کے ساتھ نئے نئے میک اپ کے انداز۔۔۔۔ پپّا اور مما کو ڈیئر اور ڈارلنگ تک کہتی تھیں۔ وہاں شادی اور بیاہ اپنی پسند سے ہوتے تھے اور طلاقیں دوسروں کی زبردستی سے دی جاتی تھیں۔ ان گھروں کی ہیئت بدلنے پر تو کچھ تو ان نوجوانوں کا ہاتھ تھا جو یورپ سے فرنگیں اور ایرانی دلہنیں بیاہ کر لاتے تھے اور کچھ اس مغربی تعلیم کا اثر تھا جس نے شمالی ہند کے اونچے طبقے کو مغربی رنگ میں رنگ دیا تھا۔"(۱)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

مذکورہ اقتباس میں ہمیں عورت کے دو مختلف روپ نظر آتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے مردوں کی ہر بھلی یا بری بات پہ آمین کہتی ہیں۔ دوسری وہ جو اپنے فیصلے خود بھی کرنے کا حوصلہ رکھتی ہیں جو جدید تعلیم کی وجہ سے باشعور بلکہ ماڈرن بن گئی ہیں۔ جو گاؤن کی بجائے سکرٹ اور بغیر آستینوں کے بلاوز پہنتی ہیں۔ یوں جیلانی بانو اسی ایک معاشرے میں رہنے والی دونوں قسم کی عورتوں کے بارے میں بتایا ہے۔ یوں یہ ناول دورخی تصویریں پیش کرتا ہے کہ ایک طرف عورت مظلوم و مقہور ہے تو دوسری طرف مردوں کے شانہ بشانہ اپنے حقوق کی علم بردار بھی ہے۔ انور پاشا "ایوانِ غزل" کے ان دو پہلوؤں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "اس ناول میں عورت جہاں ایک طرف مظلوم اور بے بس ہے وہیں دوسری اس استحصالی نظام کے بطن سے ابھری ہوئی نئی قوتوں کی ترجمان بھی، وہ علم بغاوت بلند کرتی ہے اور عوامی تحریکات میں شامل ہو کر اس نظام کے خلاف جدوجہد میں اپنا کردار بھی ادا کرتی ہے۔ "چاند" اور "غزل" جو کہ محلوں سے لے کر کلبوں اور تھیٹروں تک کے استحصالی سلسلے کو بے نقاب کرتی ہیں اور اس نظام کے کھوکھلے اقدار کو اجاگر کرتی ہیں۔ ان کرداروں کی خودکشی اور گھٹن اس حقیقت کے سوا اور کچھ نہیں کہ کیسی معصوم آرزوئیں اور حسین خواب اس طبقے کی کھوکھلی روایات کی صلیب پر قربان ہوتے آئے ہیں۔ دوسری طرف قیصر اور کرانتی انقلاب اور بغاوت کی ترجمانی کرتی ہیں۔ وہ محلوں کی دنیا سے باہر نکل کر عوامی تحریکات میں حصہ لیتی ہیں۔ قیصر انقلابی تحریک میں حصہ لینے کے جرم میں پھانسی پر چڑھادی جاتی ہے لیکن اس انقلاب اور بغاوت کی لَو کو مزید جلا بخشنے کے لیے اپنی بیٹی کرانتی کو چھوڑ جاتی ہے جو اپنی ماں کی روایت کی تجدید کرتے ہوئے اس جاگیردارانہ نظام کے استحصال اور جبر و ظلم کے خلاف زیادہ عزم اور ہمت کے ساتھ انقلاب کے راستہ پر چل پڑتی ہے۔" (۲)

ناول "ایوانِ غزل" میں دو ہی ایسے کردار ہیں جو زیادہ متحرک ہیں اور قدم قدم پر مشکلات و مسائل سے دوچار ہیں ایک غزل اور دوسری چاند۔ غزل اور چاند شوخ اور چنچل لڑکیاں ہیں اور ان کے کئی ایک عاشق ہوتے ہیں جو قدم قدم پر ان کو دھوکہ دینے سے باز نہیں آتے۔ مثلاً چاند کا ایک عاشق سنجیوا اس سے محبت کے عہد و پیمان کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ چاند بھی اُسے دل و جان سے چاہتی ہے۔ لیکن سنجیوا اس کی محبت کی گہرائیوں تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اس محبت کو سنجیدہ لینے کی بجائے سماجی کلبوں میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ یوں چاند اپنی محبت کی آگ میں تپ کر تب دق کی بیماری کا شکار ہو کر گلے لگا لیتی ہے۔ "غزل" بھی چاند کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے محبت کے مختلف حادثات کا شکار ہو کر مردوں کی ہوس کا شکار ہو جاتی ہے۔ بھائی صاحب اُسے اپنے تھیٹر میں اداکاری کے لیے قبول کرنے کا جھانسہ دے کر اپنے جال میں پھنسا لیتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہی بھائی صاحب چاند کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا چکا تھا۔ بہر حال غزل ایک ڈرامے "بھارت کا مندر" میں ممبر کی حیثیت سے اداکاری کرنے کے لیے دیوانی ہوتی ہے یوں وہ محبت کے فریب میں آجاتی ہے۔ یوں اپنی کمزور نفسیات اور بصیرت کی وجہ سے ایک درد بھرے انجام سے دوچار ہو جاتی ہے۔ اس دوران اس کی ملاقات بلگرامی جیسے تیز، شاطر اور شیطان صفت ہوس پرست انسان سے ہو جاتی ہے اور وہ قدم قدم پر اُسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتا رہتا ہے۔ اس حوالے سے جیلانی بانو لکھتی ہیں:

> "غزل تنہائی کے اس پل صراط پر دھکے کھاتی پھرتی۔ اس اندھے کی طرح جو سانپ کو رسی سمجھ کر پکڑے، وہ محبت کی تلاش میں جانے کتنے خطروں میں کود گئی۔" (۳)

محبت کے پر فریب وعدوں پر یقین کرتی ہوئی اور دھوکہ کھاتی ہوئی غزل ایک بار پھر "نصیر" جیسے دھوکہ باز انسان سے ٹکرا جاتی ہے۔ یہ کردار غزل کو دیکھ کر اُس پر عاشق ہو جاتا ہے۔ جب غزل اُس کے جال میں پھنس جاتی ہے تو وہ اسے بار بار اپنی شیطانی خواہشات کا شکار بنا کر اُس کی جوانی کے ساتھ کھیلتا

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

ہے۔وہ دھوکہ دینے کے لیے اسے ایک انگوٹھی دے کر سبز باغ دکھاتا ہے۔اس طرح وہ اُسے مسلسل ذلیل کر کے چھوڑ دیتا ہے۔اس اثنا میں غزل کا حوصلہ جواب دے جاتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ وہ کئی مردوں سے دھوکہ کھاچکی تھی۔بس یہ اُس کی کمزوری رہی تھی:

> "اپنی جانب اٹھنے والی ہر نگاہ کو وہ بڑے غور سے دیکھتی تھی۔ غزل کی چھٹی حس نے اتنی سی عمر میں اسے نفرت اور محبت کی نگاہ کو محسوس کرنا سکھا دیا تھا۔وہ اپنی جانب محبت سے دیکھنے والی نگاہ پر سات خون معاف کر دیتی تھی۔۔۔اس شخص کے سارے عیب پر لگا کر اڑ جاتے تھے۔ پھر وہاں امید کی کرن پھوٹتی، ایک پتہ سر اٹھا کے ادھر اُدھر دیکھتا اور اپنی گردن زیادہ لمبیہ کر لیتا تھا۔پھر ایک پنکھڑی کھلتی اور ایک بیل غزل کی رگ رگ جکڑ لیتی۔"(۴)

یہی اس کی شخصیت کی کمزوریاں تھیں جن کی وجہ سے وہ ہر جگہ شکست کھا جاتی تھی۔اسی ناول میں ایک اور کردار قیصر کا ہے جو ایک مختصر وقت کے لیے ناول میں نظر آتی ہے مگر مردوں کے اس معاشرے میں وہ اپنے اوپر ہونے والے ہر ظلم کا حساب لینا چاہتی ہے اور مردوں سے ٹکرانے کا حوصلہ بھی رکھتی ہے۔ غزل اور چاند کی طرح ہر ظلم برداشت نہیں کرتی بلکہ بغاوت کرتی ہے۔ساتھ ساتھ وہ اس ظلم کے خلاف قربانی دے کر اپنی زندگی کا چراغ گل کر دیتی ہوئی اپنی بیٹی کو بھی اس نظام سے ٹکرانے کا حوصلہ دے جاتی ہے۔وہ ایک جگہ غزل سے کہتی ہے:

> "رونا چھوڑو غزل! بلکہ اپنی یہ روش بھی بدلو۔ قیصر نے اُسے گلے سے لگا کر کہا، چاند کی طرح مردوں سے کھیلنا چھوڑ دو، جسم کے علاوہ دماغ بھی تو ہے تمہارے پاس۔وہ کیوں نہیں بیچتیں؟"(۵)

اس ناول میں یہی ایک کردار ہے جو جواں مردی اور دلیری کا مظاہرہ کرتا ہوا اصولوں پر قربان ہو جاتا ہے مگر ہار نہیں مانتا۔وہ ایک باغی لڑکی کے روپ میں اس معاشرہ کی ناانصافی کے خلاف محاذ آرائی کے فن سے واقف ہے۔اسی طرح کا ایک اور توانا اور جان دار کردار کرانتی ہے۔کرانتی قیصر کی بیٹی ہے۔ وہ بھی اپنی ماں کی طرح ہر جبر کے خلاف صف آراء ہو جاتی ہے اور مردوں کے دانت کھٹے کر دیتی ہے۔وہ اپنے حقوق چھیننے کا فن جانتی ہے اور کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتی بلکہ ساری تکالیف کے باوجود بھی کبھی حوصلہ نہیں ہارتی۔

"ایوانِ غزل"میں ہماری ملاقات کمزور مگر اپنے قول و فعل کے حوالے سے ایک اور کردار لنگڑی پھوپھی ہے وہ اگرچہ ابتدا میں مختلف مواقع پر حوصلہ ہارتی ہے اور اپنی بے بسی اور معذوری کی وجہ سے معاشرتی ظلم اور جبر کا شکار ہوتی رہتی ہے اور ایسا لگتا ہوتا ہے کہ یہ بھی ظلم کا شکار ہو جائے گی لیکن آخر میں ایک دن ایک مرد مردار راشد سے ایسے انداز میں ہم کلام ہوتی ہے کہ وہ حیران اور ششدر رہ جاتا ہے۔وہ کہتی ہے:

> "ارے میں تم لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہوں، تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو کبھی مجھے ننگ نیچے پھینک دیتے ہو کبھی چاند کو آگ میں جھونکتے ہو۔ تمہاری شاعری کی ایسی تیسی۔ اس "ایوانِ غزل" پر مٹی ڈالو جہاں عورت کو لوٹ کھسوٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔"(۶)

یہی بڑھیا اس قدر حوصلہ پاتی ہے کہ اپنی جوانی گزار کر پچاس سال کی عمر میں شیخو نامی بوڑھے سے شادی کر کے اپنی باقی ماندہ زندگی کو تحفظ دے دیتی ہے۔ جیلانی بانو کا دوسرا ناول "بارش سنگ" بھی عورت کے دکھوں اور آہوں کی ایک لمبی داستان ہے جس میں جاگیردارانہ نظام تلے دبے ہوئے غریب لوگ اور ان کی خواتین پر ظلم و ستم کے فسانے لکھے جاسکتے ہیں۔ یہ غریب خواتین اپنے آقاؤں کے گھریلو کام بھی کرتیں اور اس طرح اس ظلم کے خلاف اُف تک نہ کرتیں۔اس علاقے میں غربت و افلاس کی وجہ سے کسان طبقہ زمین داروں کے ظلم و ستم برداشت کر رہا تھا۔یہ غریب مرد اپنے اوپر ظلم و ستم ہونے کے باوجود کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔جاگیر دار وینکٹ ریڈی ایک مزدور کسان مستان کی بیٹی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا لیتا ہے مگر وہ بے چاری ڈر اور خوف کی وجہ سے چپ رہتا ہے۔

وہ اپنی بیٹی کو بھی چپ ہونے کا کہہ کر اپنی کمزوری کا یوں اظہار کرتا ہے:

"چپ بیٹا، چپ بیٹھ۔ لوگاں سن لیں گے۔"متان ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ اس نے خواجہ بی کی آنکھیں پوچھیں۔ کپڑے ٹھیک کیے۔ اماں کو کچھ نکو بول۔ تیرے بھائی سن لیں گے۔ سمجھ گئی نا۔ جا اب تو خود گھر چلی جا۔ مجھے ریڈی کے ہاں بہت کام ہے۔ خواجہ بی نے جلدی جلدی ریڈی کے گھر جانے والے باپ کو دیکھا۔"اماں ٹھیک بولتی ہے یہ تو ریڈی کا کتا ہے۔"(۷)

اگرچہ خواجہ بی کی کیفیت نے اُس کے دل و دماغ میں ریڈی کے خلاف ایسی نفرت پیدا کی ہے کہ وہ اپنی داخلی کیفیات کی وجہ سے افسردہ ہے اور انگاروں پر لوٹ رہی ہے۔ وہ اپنے بھائیوں کو دیکھ کر دل ہی دل میں کہتی ہے:

"بھائی جلدی اٹھو، یہ درانتی لے کر وینکٹ کا سر کاٹ دے۔"(۸)

لیکن یہ سب کچھ وہ محض اپنے دل میں کہہ سکتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جاگیر دار کے خوف سے چوں چراں تک نہیں کرسکتے۔ جاگیر دار کے بیٹے کی بد فعلی کی وجہ سے خواجہ بی کے پیٹ میں اُس کا بچہ پلنے لگتا ہے۔ اس لیے اُس کا باپ جلدی سے اُس کی شادی کرا دیتا ہے لیکن چھ مہینے بعد بچے کو جنم دے کر سسرال میں بدنامی کا باعث بنتی ہے۔ ایسے میں اُسے اپنا شوہر مار تا پیٹتا ہے اور اس طرح اُس کے دل میں اس ظلم کے خلاف بغاوت کا مادہ ابھرنا شروع ہو جاتا ہے اور آخر ایک دن تنگ آ کر اپنے دو بچوں سمیت کنویں میں کود کر جان دے دیتی ہے۔

اسی طرح اسی جاگیر دار کا بیٹا ایک اور لڑکی کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنالیتا ہے تو وہ لوگ بھی ڈر اور خوف کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں۔ جس لڑکی کو وہ اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اس کا نام رتنا ہے۔ وہ کہتی ہے:

"میں نے تو اپنے بچوں کو بھی بھلا دیا ہے۔ وہ دہلی کے ایک اسکول میں پڑھتے ہیں۔ اسکول کے فارم پر لکھا ہوا ہے کہ ان کے ماں باپ مر چکے ہیں۔ میں اپنے سارے بندھن توڑ چکی ہوں۔ میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ لکڑی کی کٹھ پتلی کی ڈوری کھینچو تو وہ ناچنے لگتی ہے۔ چھوڑ دو تو اوندھے منہ گر پڑتی ہے۔"(۹)

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ بات واضح ہے کہ رتنا اپنے مقدر کے آگے بے بس ہے اور وہ ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھانے کی سکت نہیں رکھتی۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جیلانی بانو کے مذکورہ دو ناول "ایوانِ غزل" اور "بارش سنگ" تانیثیت کے حوالے سے اہم ہیں۔ "ایوانِ غزل" کے زیادہ تر نسوانی کردار اور "بارش سنگ" کے تقریباً تمام نسائی کردار انتہائی کمزور اور بے بس ہیں۔ وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم و بربریت کے خلاف اُف تک نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کمزور اور بے جان قسم کے تانیثی کردار ہیں۔ ہاں البتہ "ایوانِ گزل" میں چند کردار ایسے ہیں جو جان دار کہلائے جانے کے قابل ہیں۔ وہ ہر قسم کے معاشرتی ظلم و جبر کے خلاف اٹھ کر کھڑے ہونے کی حیثیت سے مالا مال ہیں۔ ان کے اندر اتنا شعور ہے کہ اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی کے خلاف بول سکیں۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جیلانی بانو کے ان ناولوں میں تانیثیت کے حوالے سے ایک ملا جلا طرزِ عمل ابھرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جیلانی بانو، ص ۴۷
۲۔ انور پاشا
۳۔
۴۔ ایضاً، ص ۵۱
۵۔ ایضاً، ص ۵۲
۶۔
۷۔ ایضاً، ص ۵۴
۸۔
۹۔ ایضاً، ص ۵۷